سرکاری ملازمین کی ''گروپ انشورنس،،
''شامی ومصری علماء کی آراء کی روشنی میں،،

پروفیسر محمد اسلم

بیمہ دراصل ایک معاہدہ ہے جو مستقبل کے امکانی حادثات وناگہانی خطرات میں مالی کفالت کے بیمہ دار (پالیسی ہولڈر) اور بیمہ کمپنی کے درمیان پہلے سے طے کردہ شرائط کے مطابق طے پاتا ہے۔اس معاہدے کے تحت بیمہ دار معینہ رقم قسط وار بیمہ کمپنی کو ادا کرتا ہے جس کو پریمیم (premium) کہتے ہیں اور بیمہ کمپنی اس کے عوض حادثہ یا موت کی صورت میں ایک مجموعی رقم واپس کرتی ہے جس کو بیمہ شدہ رقم (insured amount) کہتے ہیں۔

پاکستان میں جب حکومت نے بنک قومیائے تو بیمہ کمپنیاں بھی قومیالیں۔اب بیمہ دار کا معاملہ بیمہ کمپنی سے نہیں بلکہ حکومت سے ہوتا ہے جس کا جواز مصر کے نامور عالم دین اور جامعہ ازہر کے شیخ مفتی محمد عبدہ، اور ابوزہرہ کے ہاں ملتا ہے۔ان کی رائے میں حکومت ہر شخص کے جان، مال اور آبرو کی محافظ اور ہر شخص کی کفالت کی ذمہ دار ہے لہذا اس کی حیثیت بعض حضرات کے ہاں ایک سربراہ خاندان کی سی ہے۔خاندان کے افراد اپنی آمدنی میں سے کچھ رقم سربراہ خاندان کو دیتے ہیں، جو وہ رقم ضرورت کے وقت اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے۔(البتہ اگر وہ کمپنی پرائیوٹ ہو، تو تب یہ معاملہ بدستور مشتبہ رہتا ہے)۔

بیمہ ہمیشہ سے فقہاء کے مابین بحث کا موضوع بنا چلا آتا ہے۔بعض اہل علم اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض حرمت کے۔مولانا شفیع دیوبندی، اپنی مشہور تفسیر ''معارف القرآن،، کی پانچویں جلد کے صفحہ ۳۷۵ پر مامورات ومنہیات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اجتہادی اختلافات میں کسی جانب کو منکر نہیں کہا جاسکتا۔لہذا اس اصول کے تحت راقم الحروف کی رائے میں بیمہ کے جواز اور حرمت کے اقوال میں سے جو قول بھی اختیار کرلیا جائے وہی صحیح ہوگا۔

دور حاضر کی ایک تحقیق کی رو سے بیمہ کے موجد مسلمان ہیں۔چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اسپین (ہسپانیہ) میں اسلامی دور حکومت (۱۴۹۲ء-۷۱۱ء) مسلمان تجار جہازوں کے ذریعے بھیجے جانے والے سامان تجارت کا بیمہ کراتے

تھے، جسے وہ ''سوکرہ،، کہتے تھے۔

ردالمحتار کے فاضل مصنف علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (۱۸۳۶ء-۱۷۸۴ء) اپنی اس فاضلانہ تصنیف کے باب ''کتاب الجهادباب المستامن من فضل فی استمان الکافر ،، میں لکھتے ہیں کہ تاجروں کی یہ عادت کہ جب وہ مال تجارت کے لیے کسی حربی کافر سے مال بردار جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو کرایہ کے علاوہ مزید کچھ رقم ادا کرتے ہیں۔ یہ حربی کافر دارالحرب کا باشندہ ہوتا ہے جو امن حاصل کر کے دارلاسلام کے سرحدی مقامات پر ٹھہرتا ہے۔ یہ شخص گویا سامان تجارت کا وکیل اور اسے منزل مقصود پر پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر تجارتی سامان کو راستے میں جہاز کے ڈوبنے یا جلنے سے نقصان پہنچے تو وہ اس زائد رقم کے عوض نقصان کی پوری تلافی کرتا ہے۔ اس رقم کو ''سوکرہ،، کہتے ہیں اور اس پر معاملہ کرنے والے کو ''صاحب سوکرہ،،۔

ہماری رائے میں ''سوکرہ،، فرانسیسی زبان کے لفظ securite یا انگریزی زبان کے لفظ security سے معرب کیا گیا ہے جس کے معنی ''امان واطمینان،، کے ہیں۔

ابن عابدین شامی کے زمانے میں صرف بحری جہازوں کے ذریعے حربی کافروں کے توسط سے دارالحرب میں بھیجے جانے والے سامان تجارت کا بیمہ کیا جاتا تھا اور بیمے کی موجودہ صورتیں ان دنوں مروج نہ تھیں لہذا انہوں نے اسے دارالحرب میں جائز اور دارالاسلام میں ناجائز فرمایا ہے۔ اگر موصوف ہمارے عہد میں ہوتے تو شاید دارالسلام میں بھی اس کے جواز کے قائل ہو جاتے۔

اپریل ۱۹۶۱ء میں جامعہ دمشق میں ''تامین،، یعنی بیمہ کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں عالم اسلام کے ممتاز عالموں اور دانشوروں نے شرکت فرمائی۔ اس کانفرنس میں جن علماء نے اپنے تحقیقی مقالے پیش کئے ان میں استاذ مصطفیٰ زرقا اور شیخ ابوزہرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں حضرات فقہ اور شریعت کے متخصص ہیں۔ ان میں سے مصطفیٰ زرقا بیمہ کے جواز کے قائل ہیں۔ انہوں نے اپنے مقالے کی بنیاد دو اصولوں پر رکھی ہے۔

اولا: شریعت میں عقود ومعاملات کی جو تفصیل مذکور ہے کیا وہ ہر دور کے لحاظ سے کامل ہے یا بدلے ہوئے رجحانات اور حالات کے پیش نظر اس میں ردوبدل کی گنجائش ہے؟

ثانیا: نئے عقود ومعاملات میں اصل حرمت ہے، جب تک اباحت کی دلیل نہ ہو یا اصل اباحت ہے جب تک حرمت کی دلیل نہ پائی جائے؟

مصطفیٰ الزرقا کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حالات اور زمانے کی رعایت سے فقہی مسائل تبدیل ہو جاتے ہیں۔

مصطفیٰ زرقا کی یہ دلیل بڑی وزنی ہے کہ ہر دور کے معاشرے اور ملک کے مسائل الگ الگ ہو جاتے ہیں اس لیے ضرورت کے تحت فقہ بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

راقم الحروف کے فاضل دوست مولانا محمد تقی امینی، سابق ناظم دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے فقہی مسائل میں حالات اور زمانے کی رعایت سے ایک فاضلانہ کتاب تصنیف کی ہے۔

مصطفیٰ زرقا لکھتے ہیں کہ کوئی سمجھ دار شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ بدلے ہوئے حالات ور جحانات کے پیش نظر عقود ومعاملات کی نئی تنظیمیں ضروری ہیں البتہ ان تنظیموں کو شرعی حیثیت دینے کے لیے شرعی حدود وقیود کی رعایت ناگزیر ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل**۔ یعنی ہر ایسی شرط جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو، باطل ہے۔

مصطفیٰ زرقا فرماتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں کتاب اللہ سے قرآن مجید مراد نہیں بلکہ شریعت کے عمومی قواعد ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا. (النساء: ۱۰۳)

(بے شک نماز مسلمانوں پر مقررہ وقت پر فرض ہے۔ یہاں کتاب سے مکتوب مراد ہے) اس کی مزید تشریح اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

ما کتبہ اللہ علی المؤمنین واوجبہ علیھم (جس کو اللہ نے مومنوں کے لیے لکھ دیا اور ان پر لازم کر دیا)

اس سے مصطفیٰ زرقا یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جدید تنظیموں کے لیے جو قواعد وضوابط بنائے جائیں، وہ روح اسلامی کے منافی نہ ہوں۔

اپنے مقالے کی دوسری بنیاد پر گفتگو کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں کہ جمہور فقہاء کے نزدیک اصل اباحت ہے جب تک حرمت کی دلیل نہ پائی جائے۔ مصطفیٰ زرقا لکھتے ہیں کہ اس کا ثبوت بیع الوفاء کے سلسلے میں مل چکا ہے اور فقہاء نے کافی اختلاف ہونے کے باوجود اس کے جواز کو برقرار رکھا ہے۔

اس موقع پر بیع الوفا کا ذکر بیجا نہ ہوگا۔ قرون وسطی میں یہ طریق وسط ایشیا میں رائج تھا اور بخارا کے تجار اس پر عمل کرتے تھے۔ اس کی چند صورتیں ہیں:

ا۔جس کونقد روپیہ کی ضرورت ہوتی وہ کسی سے کچھ رقم لے کر اپنی زمین اس شرط پر اس کے حوالے کر دیتا کہ جب وہ رقم لوٹا دے گا تو زمین اسے لوٹا دی جائے گی۔

۲۔ بیچنے والا خریدار سے کہتا ہے کہ وہ ایک چیز اس شرط پر فروخت کر رہا ہے کہ وہ جب چاہے، خریدار سے رقم لے کر وہ چیز اسے لوٹا دے۔

۳۔ بیچنے والا خریدار سے کہتا ہے کہ وہ ایک چیز اس قرض کے بدلے بیچتا ہے جو اس کے ذمے واجب الادا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جب وہ قرض ادا کر دے تو یہ چیز پھر اس کی ملک ہو جائے گی۔

علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار کے باب، کتاب الصرف میں لکھتے ہیں کہ اس طرح کی بیوع میں چونکہ خریدار کی طرف سے وعدہ پورا کرنے کا عہد پایا جاتا ہے وہ قیمت لوٹانے پر خریدا ہوا مال بیچنے والے کو لوٹا دے گا، اسی بنا پر اسے بیع الوفا کہتے ہیں۔

مذکورہ صورت میں واپسی کے وقت خریدار کو پوری قیمت مل جاتی ہے اور واپسی سے قبل وہ کسی حق اور عوض کے بغیر اس چیز سے پوری طرح فائدہ اٹھاتا ہے، جس سے ناجائز انتفاع کی صورت نکلتی ہے، بعض فقہاء نے اسے سود کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ اس لیے بیع الوفا فقہاء کے مابین مابہ النزاع رہی ہے لیکن اس کے باوجود فقہاء کی اکثریت نے اسے جائز سمجھا ہے۔ بیع الوفا قرون وسطی میں وسط ایشیا میں عام تھی اور یہ وہ علاقہ ہے جہاں صدہا کی تعداد میں نامور فقہاء پیدا ہوئے ہیں، جن کا نام سنتے ہی ہماری گردنیں ادب واحترام کے ساتھ جھک جاتی ہیں۔

گویا مصطفی الزرقا نے بیمہ کو بیع الوفا اور چند قدیم عقود کے مشابہ قرار دے کر اس کے جواز کا حکم تلاش کیا ہے۔ وہ قدیم عقود یہ ہیں:

اولا: عقد موالاۃ: یہ ایک طرح کا معاہدہ ہوا کرتا تھا جس میں ایک شخص دوسرے شخص کی ذمہ داری قبول کرتا اور دوسرا شخص اپنے بعد اپنے ترکے میں سے اسے اپنا قائم مقام بناتا تھا۔ اسی طرح موجودہ زمانے میں پالیسی ہولڈر ایک معاہدے کے ذریعے بیمہ کمپنی کو ایک مقررہ رقم ادا کرتا ہے اور کمپنی اس کی وفات کے بعد اس کی قائم مقام بن کر اس کے اہل وعیال کے مصارف اور بچوں کی تعلیم وشادی کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ یہ مسئولیاتی بیمہ یا (libility insurance کی شکل ہے۔

ثانیا: نظام عاقلہ ۔ قرن اول میں حادثات وخطرات کے وقت نقصان کی تلافی کے لیے باہمی

امدادواجتماعی جرمانے کاایک نظام تھاجس میں عزیزواقارب ہم پیشہ یاہم مذہب لوگ شریک ہوتے تھے۔(پاکستان میں اسمٰعیلی ،بوہرے اورمیمن تجار جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی جماعت کے کسی فرد کاتجارت میں ناقابل تلافی نقصان ہوگیا ہےتو وہ اس کی امداد کر کے اسے دوبارہ اپنے پاؤں پرکھڑا کردیتے ہیں۔یہ نظام عاقلہ کی بہترین مثال ہے)حدیث میں آتا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعری صحابہ تنگ دست ہوجاتے تو وہ چادر بچھا کراپنا اپنا اثاثہ اس پر رکھ دیتے اور پھر برابر برابر تقسیم کرلیتے۔

اس ضمن میں دوسری مثال حضرت عمرفاروقؓ کی ہے وہ یہ کہ وفات کے وقت حضرت عمرفاروقؓ......۸۶درہم کے مقروض تھے۔انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کووصیت کی کہ وہ ان کامکان اوردوسرا اثاثہ فروخت کر کے یہ قرض اداکردیں۔اس صورت میں بھی اگرقرض ادانہ ہوتو وہ اپنے قبیلے بنوعدی سے اپیل کریں کہ وہ مل کربقیہ رقم فراہم کردیں اوراگروہ ایسانہ کرسکیں ،توپھرقریش سے کہیں کہ وہ مطلوبہ رقم اکٹھی کردیں۔(شبلی نعمانی،الفاروق،مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء،۲۶۷۔)

فقہ کی کتابوں مثلاردالمحتار،فتاوی عالمگیری،المبسوط اور ہدایہ میں نظام عاقلہ محض ''دیت،،اداکرنے کے لیے خاص نہیں بلکہ حادثات اورخطرات کے لیے بھی عام ہے۔مصطفیٰ زرقا کی یہ رائے ہے کہ جس طرح نظام عاقلہ میں نقصان کی تلافی کے لیے قبیلےکوذمہ دارٹھہرایاجاتا ہےاسی طرح حادثات کی صورت میں بیمہ کمپنی ذمہ دار بن جاتی ہے۔

ثالثا:ضمان خطرالطریق (راستے کے خطرہ سے ضمانت)

علمائے احناف کہتے ہیں کہ اگرایک شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ وہ اس راستے سے سفرکرے کیونکہ وہ راستہ محفوظ ہےاوراس کی مزید تسلی کے لیے یہ کہے کہ اگراسے اس راہ میں کوئی نقصان اٹھاناپڑاتو وہ اس کاذمہ دارہوگا،ایسی صورت میں اگرمسافر کاواقعی نقصان ہوگیاتومشورہ دینے والانقصان پوراکرنے کاذمہ دارہوگا،اس صورت میں اسی طرح ایک شخص دوسرے شخص کے نقصان کی ذمہ داری قبول کرتا ہے،اسی طرح بیمہ کمپنی اموال کے نقصان کی ذمہ داری لیتی ہے۔

رابعا:قاعدۃالالتزامات ۔اس کی یہ صورت ہے کہ اگرکسی شخص نے دوسرے شخص سے قرض،عاریت یاخسارہ برداشت کرنے کاوعدہ کیایاکسی ایسے کام کاوعدہ کیاجواس کے ذمے لازم نہ تھا،تومالکی فقہاء کے نزدیک یہ وعدہ پوراکرنالازم ہوگا۔

کل شیء یرجع الی اصلہ...... ھر کی کو دور ماند از اصل خویش......باز جوید روزگار وصل خویش

مصطفیٰ زرقا کے نزدیک حفاظتی بیمہ اس کے مشابہ ہے۔جس طرح ان صورتوں میں وعدہ پورا کرنا ضروری ہے اسی طرح حفاظتی بیمے میں حسب وعدہ نقصان کی تلافی ضروری ہے۔

خامسا: نظام التقاعد والمعاش: اس نظام کے تحت سرکاری ملازمین کو ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن ملتی ہے اور پنشن دینے اور لینے کے جواز میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے۔مصطفیٰ زرقا کے نزدیک زندگی کا بیمہ اس نظام کے مشابہ ہے۔اس نظام کے تحت تنخواہ میں سے معمولی رقم جمع ہوتی رہتی ہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد ملازمین یا ان کے لواحقین کو یہ جمع شدہ رقم پنشن یا گریجویٹی کی شکل میں یکمشت یا ماہ بماہ ملتی رہتی ہے۔

بیمے کی بھی یہی صورت ہے کہ قسط وار معمولی سی رقم جمع ہوتی رہتی ہے اور بیمے کی مدت پوری ہونے کے بعد بیمہ دار کو یا حادثاتی یا ناگہانی کی صورت میں اس کے نامزد لواحقین کو زر بیمہ کی شکل میں مل جاتی ہے۔

ان تمام صورتوں میں مصطفیٰ زرقا نے بیمے کا جواز تلاش کیا ہے۔یہ بات خالی از دلچسپی نہیں کہ انہوں نے عقد موالاۃ، نظام عاقلہ، قاعدۃ الالتزامات، نظام التقاعد والمعاش اور ضمان الطریق کا تو ذکر کیا ہے لیکن موصوف قسامہ، حلف، ولا اور عد جیسی تنظیمات کو نظر انداز کر گئے جن کا ذکر زمانہ جاہلیت میں ملتا ہے اور حضور شارع علیہ السلام نے انہیں برقرار رکھا ہے۔اسی سے ''عرف،، کی قانونی حیثیت ثابت ہوتی ہے۔ہم ان اصولوں کا بھی ذکر کئے دیتے ہیں.....

۱۔قسامہ: شمس الائمہ ابوبکر محمد بن ابی سہل احمد سرخسیؒ (م ۴۸۳ھ) صاحب المبسوط فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامہ کو اسی طرح برقرار رکھا جس طرح دور جاہلیت میں اس کا رواج تھا۔اس کی صورت یہ تھی کہ اگر مقتول کے قاتل کا پتہ نہ چلتا تو جس گاؤں یا محلے میں لاش پائی جاتی وہاں کے پچاس آدمیوں سے حلف لیا جاتا کہ انہیں قاتل کا علم نہیں ہے۔اگر قاتل کا پتہ چل جاتا تو خیر، ورنہ اس گاؤں یا محلے کے باشندوں پر اجتماعی جرمانہ کر کے مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کی جاتی تھی۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ ایک بار انصار مدینہ نے یہود پر ایک مقتول کی دیت کے بارے میں دعوی کیا تو حضور شارع علیہ السلام نے قسامہ کے مطابق ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔(المبسوط، ج ۲۶، ص ۱۰۸)

۲۔حلف: حلف کی شکل عقد موالاۃ سے ملتی جلتی ہے۔اس میں چند افراد چندہ جمع کر کے باہمی مدد کیا کرتے تھے۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اشعری صحابہ تنگ ہو جاتے تو وہ اپنا مال ایک جگہ جمع کر کے

برابر برابر تقسیم کرلیا کرتے تھے۔حلف ایک طرح سے باہمی تعاون کی شکل ہے۔

۳۔ولا:اس کی شکل یہ تھی کہ غلام جس قبیلے سے آزاد کیا جاتا تھا وہ قبیلہ حادثات وخطرات میں اس کی مدد کرنے کا پابند تھا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی قوم کا آزاد شدہ غلام اسی قوم کا فرد سمجھا جائے گا۔(ہدایہ،ج۴،کتاب المعاقل)

۴۔عد:اس کے معنی کسی گروہ میں شامل ہونا ہے۔زمانہ جاہلیت میں کئی گروہ یا گروپ تھے جن میں شامل ہونے کے بعد حادثات وخطرات میں مدد کی ذمہ داری لی جاتی تھی۔راقم الحروف کی نگاہ میں گروپ انشورنس اسی زمرے میں آتی ہے۔

مصطفیٰ زرقا اور راقم الحروف نے جن متعدد تنظیموں کا ذکر کیا ہے وہ سب خطرات وحادثات میں ضمانت حاصل کرنے کی مختلف شکلیں تھیں،موجودہ زمانے میں گروپ لائف انشورنس اسی زمرے میں آتی ہے۔بعض اہل علم نے مصطفیٰ زرقا کے نظریات کی تردید کرتے ہوئے چھ اعتراضات اٹھائے ہیں:

۱۔بیمہ ایک طرح سے جوا ہے۔

۲۔بیمہ کا تعلق رہن کی اس قسم سے ہے،جو شرعاً ناجائز ہے۔

۳۔بیمہ میں تقدیر الٰہی سے مقابلہ ہے۔

۴۔بیمہ میں دھوکہ پایا جاتا ہے۔

۵۔بیمہ میں جہالت پائی جاتی ہے کیونکہ یہ غائب کی بیع ہے۔

۶۔بیمہ میں سود پایا جاتا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے ان اعتراضات کا جواب یوں دیا ہے:

۱۔بیمہ جوا نہیں ہے کیونکہ جوا لہو ولعب کی ایک شکل ہے جو بہت سی اخلاقی اور اجتماعی برائیوں کو جنم دیتا ہے جب کہ بیمہ مستقبل کے حادثات وخطرات میں نقصان کی تلافی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

۲۔رہن کی کسی بھی قسم سے بیمے کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ بیمے کے جو فوائد ہیں،وہ رہن کی صورت میں نہیں پائے جاتے۔

۳۔بیمہ تقدیر الٰہی سے مقابلہ اس بنا پر نہیں ہے کہ بیمہ میں حادثات وخطرات یا آسمانی آفات سے حفاظت کی

ضمانت فراہم نہیں کی جاتی بلکہ نقصان کی ضمانت مہیا کی جاتی ہے۔

۴۔ بیمہ دھوکہ اس لیے نہیں ہے کہ دھوکے میں ایک فریق کو سراسر فائدہ اور دوسرے کو سراسر نقصان ہوتا ہے۔ بیمے کی عمومی حیثیت میں یہ صورت نہیں پائی جاتی کہ ایک فریق سراسر نقصان میں رہے اور دوسرا سراسر فائدے میں ۔علمائے احناف کہتے ہیں کہ کفالت اور ضمانت کی بعض قدیم شکلوں میں بھی دھوکے کا شائبہ پایا جاتا ہے جن کی تفصیل ابن عابدین شامیؒ (م ۱۸۳۶ء) نے اپنی مشہور تصنیف ردالمحتار کی کتاب الکفالۃ میں دی ہے، لیکن اسے معمولی قسم کا دھوکہ سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

۵۔ ہر قسم کی جہالت معاملے کو فاسد نہیں کرتی بلکہ وہ جہالت معاملے کو فاسد کرتی ہے جو معاملے کے نافذ ہونے میں رکاوٹ پیدا کرے۔

بیمے میں ایسی جہالت نہیں پائی جاتی جس سے یہ معاملہ نافذ نہ ہو سکے۔

۶۔ سود بلاشبہ حرام ہے اور اس کے حرام ہونے پر نص قرآنی موجود ہے۔ لیکن اس کی حرمت سے نفس بیمہ کے جواز میں فرق نہیں پڑتا، جیسے سود کی حرمت سے بیع، اجارہ وغیرہ دیگر عقود کے نفس جواز میں فرق نہیں پڑتا۔

مصطفیٰ زرقا اپنی بحث کا اختتام ان الفاظ پر کرتے ہیں کہ وہ بیمہ کو فی نفسہ جائز سمجھتے ہیں لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ تمام وہ شکلیں جائز ہیں جن پر کمپنیاں عمل کرنے کے لیے مجبور ہیں یا جو اقسام بعض ممالک میں رائج ہیں۔ بیمہ کا نظام فی نفسہ شرعاً صحیح ہے تو اس کی صحت کے لیے شرطوں اور شکلوں کا حکم بھی علیحدہ قرار پائے گا۔ (عقد التامین ص ۵۲)

شیخ ابوزہرہ نے اپنے مقالے کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ وہ بیمہ کمپنی کے ساتھ معاملے کو جائز قرار نہیں دیتے لیکن حکومت کے ساتھ ایسا معاملہ جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ اسے اجتماعی تعاون پر محمول کرتے ہیں (عقد التامین: ص ۵۶)

راقم الحروف یہاں یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہے کہ اگر بیمہ کمپنیاں قومیائی جائیں، جیسا ہمارے ہاں ہوا ہے، تو پھر بیمہ کمپنی کے ساتھ معاملہ دراصل حکومت کے ساتھ ہی معاملہ ہوگا۔ یوں ابوزہرہ کی شرط پوری ہو جائے گی۔

ثانیاً عرض ہے کہ حکومت اگر ملازمین کی گروپ انشورنس کرواتی ہے اور اس مقصد کے لیے ان کی تنخواہوں میں سے ایک معمولی سی رقم وضع کر لیتی ہے اور اسی جمع شدہ رقم میں سے کسی ملازم کی قبل از وقت موت کی صورت

میں اس کے لواحقین کی امداد کرتی ہے، تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

ابوزہرہ جیسے نامی گرامی عالم، جنہوں نے فقہ اور شریعت میں تخصص حاصل کیا ہے اور وہ متجدد نہیں بلکہ راسخ العقیدہ علماء کے نمائندے ہیں، انہوں نے انشورنس کمپنی کے ساتھ کسی معاہدے کی مخالفت کی ہے کیونکہ کمپنی کاروبار میں دھوکہ دے سکتی ہے لیکن انہوں نے حکومت کے ساتھ انشورنس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں دھوکے کا کوئی شائبہ نہیں رہتا۔ (عقد التامین: ص ۵۶) ان کے نزدیک یہ اجتماعی تعاون کی شکل ہے اور اس میں محنت کش یا دوسرے سرکاری ملازمین شامل ہوتے ہیں۔ ابوزہرہ کی طرح استاذ شیخ عبدالمنعم نمرہ نے بھی بیمہ کمپنیوں کے ساتھ معاملے کو ناجائز اور حکومت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ (مقالات امینی ،مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۷۰ء، ص ۱۷۹)

مئی ۱۹۶۵ء میں قاہرہ میں مجمع البحوث الاسلامی کی دوسری مؤتمر منعقد ہوئی۔ اس کے سربراہ اتفاق سے شیخ ابوزہرہ ہی تھے۔ اس مؤتمر میں کافی غور وخوض کے بعد ارکان کی اکثریت نے اس پر اتفاق رائے کیا کہ جو بیمے اجتماعی تعاون کی بنیاد پر قائم ہوں اور لوگ اس میں شریک ہوں کہ ضرورت کے وقت ان کی مدد کی جائے گی تو وہ بیمے جائز ہیں کیونکہ ان میں تعاون علی البر کی صورت پائی جاتی ہے (التامین: ص ۱۲۲ مرتبہ سید محمد دسوقی)

اس کے جواز کے بعد مؤتمر کے ایک اہم رکن استاذ علی خفیف نے تعاونی بیمے کے علاوہ تجارتی بیمے کو بھی جائز قرار دیا۔ اپنے مؤقف میں ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ بیمہ ایک نیا عقد ہے جس کا نہ کسی نص صریح میں ذکر ہے اور نہ اس کی ممانعت ہے۔ لہٰذا اس صورت میں جواز واباحت کا پہلو نکلتا ہے۔

۲۔ بیمہ ایک ایسا عقد ہے جس میں بہت سے مصالح ہیں اور نقصان کوئی بھی نہیں ہے۔ (یعنی اس میں رقم ڈوبنے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ بیمہ کمپنیاں قومیائے جانے کے بعد یہ احتمال بھی ختم ہو گیا ہے)۔

۳۔ بیمہ عرف عام بن گیا ہے جس سے عمومی وشخصی مصلحتیں وابستہ ہیں اور عرف خود اس کے جواز کی دلیل ہے۔

۴۔ موجودہ زمانے کی حاجت اور ضرورت بیمہ کے جواز کی مقتضی ہے۔

۵۔ بیمہ میں وعدہ سے زیادہ التزام پایا جاتا ہے۔ مالکی فقہ میں جس کا چلن سوڈان لیبیا، تیونس، الجزائر، مراکش، ماریطانیہ، نائجریا، سینی گال، گیبون، نائجریا، اپر وولٹا، چاڈ اور گنی جیسے بہت سے افریقی ممالک میں ہے، وعدہ

گر تو سنگ خارہ ومرمر شوی	چوں بصاحبدل رسی گوہر شوی

پورا کرنا لازم ہے۔ بیمہ میں تو وعدہ سے زیادہ التزام پایا جاتا ہے۔ فقہ حنفی میں اگر بیع الوفا جائز ہے، جو محض وعدے کی بنیاد پر کی جاتی ہے، تو التزام کی صورت میں اس کے جواز کی ایک مضبوط دلیل مل جاتی ہے)۔

یہ تمام دلائل پیش کرنے کے بعد استاد علی خفیف اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بیمہ موجودہ دور کی ایک ضرورت ہے جس سے تجاہل ناممکن ہے۔ ان کے نزدیک بیمہ شرعاً جائز ہے۔

عالم اسلام کے نامور عالم دین استاذ احمد طہ سنوسی نے مسئولیاتی بیمہ (liability insurance) کو عقد موالاۃ پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں اور یہ قانوناً صحیح اور شرعاً جائز ہے۔ (عقد التامین فی التشریع الاسلامی مجلہ الازہر۔ ج ۲۵)

موجودہ صدی کے آغاز میں مصر کے مفتی اعظم محمد عبدہ نے، جو بڑے روشن دماغ عالم سمجھے جاتے ہیں، بیمہ کے جواز کا فتوی صادر کیا تھا گو اس وقت کے علماء نے جو قدیم علوم کے ماہر تھے اور نئے مسائل سے واقف نہ تھے، مفتی صاحب کی مخالفت کی۔ مفتی صاحب نے اپنے فتوے کے حق میں جو دلائل دیے ان میں سے ایک محکم دلیل یہ بھی تھی کہ حکومت عوام کی نگران اور مالی کفالت کی ذمہ دار ہے۔ اس لیے حکومت کے ساتھ بیمے کا معاملہ درست ہے۔ بیمہ کمپنی نگرانی اور کفالت کی ذمہ دار نہیں ہوتی اس لیے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ مفتی محمد عبدہ فرماتے ہیں کہ حکومت کی مثال خاندان کے ایک سربراہ کی سی ہے جو اپنے اہل خانہ سے رقم لے کر جمع کرتا رہتا ہے اور بوقت ضرورت ان پر خرچ کر دیتا ہے۔ مفتی صاحب کے نزدیک سرکاری خزانے پر ہر شخص کا حق ہے اس لیے اگر کسی نے اس میں سے کچھ لیا تو گویا اس نے اپنا حق وصول کیا کیونکہ حکومت تمام افراد کے حقوق کی محافظ و ذمہ دار ہے۔ (الاسلام والنشوعیہ: ص ۲۰۹)

مصر کے مشہور فقیہ ڈاکٹر محمد یوسف موسی (۱۹۶۳ء-۱۸۹۹ء) نے بیمہ زندگی کو باہمی تعاون کی ایک شکل قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر بیمہ کمپنی سودی کاروبار نہ کرے اور بیمہ دار کو ادا کی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرے۔ تو ایسا معاملہ کرنا جائز ہے۔ (الاسلام والحیاۃ، ص ۲۱۶) .....(جاری ہے)

(نوٹ: قارئین محترم۔ مجلہ فقہ اسلامی بیمہ سے متعلق ایک موقف (جواز) پر مبنی مقالہ شائع کر رہا ہے جس کی یہ پہلی قسط ہے یہ کوئی حتمی موقف نہیں اہل علم و قلم سے گزارش ہے کہ متبادل موقف پیش کرنا چاہیں تو مجلہ اسے شائع کرے گا..... مجلس ادارت کے پاس اس مقالہ کے علاوہ بھی بعض مقالات بیمہ سے متعلق ہیں جنہیں باری آنے پر شائع کیا جائے گا انشاء اللہ)

اگرچہ تو بیکار پتھر مرمر ہے لیکن کسی صاحب دل کے پاس پہنچے گا تو گوہر بن جائے گا